مسئلہ تقلید اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

از : مولوی ندیم احمد الوجدی فاضل دیوبند

(قرآن وسیرت سوسائٹی حیدرآباد کے زیر اہتمام منعقدہ ایک علمی اجتماع ربتاریخ ۸ اگست ۱۹۷۶ء میں پڑھا گیا)

دینی تجدید کی تاریخ میں امام الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ذات گرامی ایک ممتاز مقام رکھتی ہے۔ ہندوستان میں جہاں کہیں بھی علم کا چرچا ہے اگر سلسلہ بالواسطہ یا بلاواسطہ اسی سکول سے جا کر مل جاتا ہے۔ جہاں بیٹھ کر حضرت شاہ ولی اللہؒ نے زانوے ادب طے کیا۔ اور بعد میں جو سکول انہیں کے نام سے مشہور ہوا۔ ولی اللہی سکول جو مدرسہ رحیمیہ کی ایک ارتقائی شکل ہے اپنا ایک مخصوص طرز فکر رکھتا ہے۔ یہ ایک انتہائی جامع ہمہ گیر اور وسیع سکول ہے اس اسکول میں عقل ونقل اور کشف والہام کا بڑا خوبصورت اور حسین امتزاج ملتا ہے مگر اس اسکول کی ہمہ گیری یا جامعیت کا جو مفہوم ہندوستان کے بعض مکاتب فکر نے سمجھا ہے وہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے افکار اور خیالات کی واقعی تعبیر ہرگز نہیں ہے بلکہ سچ پوچھیے تو اس تعبیر کی روشنی میں ولی اللہی فکر کی صحیح قدر وقیمت متعین نہیں ہو سکتی۔ ولی اللہی اسکول کا فکر مبہم، ناقابل فہم اور غیر مانوس خیالات کا مجموعہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک صاف ستھرا اور انتہائی واضح فکر ہے۔ پھر نہ جانے کیسے حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف ایسے خیالات کا انتساب کیا جاتا رہا ہے جن کی تردید خود ان کی کتابوں سے۔ اور بعد میں آنے والے ان کے شاگردوں کے طرز عمل سے ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر حضرت شاہ ولی اللہؒ کو ہندوستان کا ایک طبقہ غیر مقلد سمجھتا ہے تعجب یہ ہے کہ اس سلسلے میں ان کی تمام تحریریں تو نظر انداز کی ہی گئی ہیں اس خاص ماحول سے بھی صرف نظر کیا گیا ہے جس میں حضرت شاہ صاحبؒ نے آنکھیں کھولیں، پرورش پائی۔ اور جس کی اصلاح کے لیے آپ کو منصب تجدید سے سرفراز کیا گیا۔ آپ کی علمی تاریخ کا پس منظر اور تلامذہ کا موقف بھی شاہ صاحبؒ کے مسلک کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ مگر اسے بھی نظر انداز کیا گیا۔

میرے لیے یہ انتہائی سعادت کی بات ہے کہ اہل علم کے اس اجتماع میں مجھے حضرت شاہ ولی اللہؒ پر مقالہ پڑھنے کی دعوت دی گئی ہے، اس موقع پر جی یہ چاہتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے فقہی مسلک پر تفصیلی گفتگو کروں۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ حیدرآباد میں جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے ایک حلقہ ایسا موجود ہے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مسلک صحیح طریقے پر پیش نہیں کرتا۔ ایسا کرنا کسی شخصیت کے ساتھ انصاف ہرگز نہیں ہے بلکہ سچ پوچھیے تو یہ ایک بڑا ظلم اور علمی تاریخ کی بڑی بددیانتی ہے اور سب سے زیادہ حیرت تو اس پر ہوتی ہے کہ ہندوستان کے اہل بدعت بھی اپنے بے اصل اور خلاف سنت کاموں کے لیے شاہ صاحبؒ کا نام استعمال کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔

شاہ صاحبؒ جنہوں نے سنت کے تصور کو نکھار کر پیش کرنے کے لیے عمر بھر قلم سے جہاد کیا اور بدعت کے خلاف تسلسل جنگ کی اسی بدعت میں ملوث قرار دے دیے گئے ہیں اور بے اصل و لغو کاموں میں ان سے استدلال کیا جانے لگا ہے۔ اللہ جزائے خیر دے علمائے دیوبند کو جنہوں نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے افکار کی صحیح ترجمانی کا بڑا اہتمام کیا، اور اس کی اشاعت میں زبردست حصہ لیا۔ حلقہ دیوبند سے اپنے انتساب کے باوجود مجھے یہ کہنے میں کوئی تعلی یا مبالغہ محسوس نہیں ہوتا کہ دیوبند نے ولی اللہی فکر سے وابستگی کا جس قدر حق ادا کیا ہے اور اس فکر کی جس قدر اشاعت کی ہے شاید ہی کسی دوسرے مکتب فکر کو اس کی سعادت حاصل ہوئی ہو۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ شاہ ولی اللہؒ کسی بھی دور میں تقلید کے مخالف نہیں رہے ہیں۔ وہ تقلید کے حامی تھے اور ان مذاہب کے ... کو جائز ہی نہیں بلکہ ضروری خیال فرماتے تھے جو دین کی صحیح بنیادوں

پر مبنی ہوں اور قرآن و سنت سے ماخوذ ہوں۔ اس سلسلے میں ان کا ایک مفصل رسالہ "عقد الجید فی احکام التقلید" ملاحظہ فرمائیے۔ یہ رسالہ آپ نے بعض سوالات کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔ رسالے کا خاص موضوع تقلید ہے۔ ضمنی طور پر اجتہاد کی حقیقت، اس کی اقسام اور شرائط، مجتہدین کا اختلاف اور اس کے اسباب، مجتہد مطلق اور مجتہد منتسب کی تعریف ان دونوں کا فرق وغیرہ جیسے اہم مباحث بھی آ گئے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کا ایک اور رسالہ "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" بھی ہے۔ اس میں فقہ کے تمام ادوار کا احاطہ کیا گیا ہے اور تقلید کی اہمیت و ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں بھی جو حضرت شاہ ولی اللہؒ کی گراں قدر اور معرکۃ الآراء تالیف ہے اس کے مباحث ملتے ہیں۔

حجۃ اللہ البالغہ کے ایک مستقل باب میں شاہ صاحبؒ نے مسئلہ تقلید کے موافق و مخالف پہلوؤں پر گفتگو کی ہے۔ ایک جگہ ابن حزم کے اس خیال کی بڑے لطیف انداز میں تردید فرمائی ہے کہ

التقليد حرام ولا يحل لاحد أن يأخذ قول أحد غير رسول الله صلى الله عليه وسلم بلا برهان	تقلید حرام ہے اور آل حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے کے قول کو بغیر دلیل کے اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔

(ص ۱۵۴ ج ۱)

ابن حزم نے اس مسئلہ کی جو بحث پیش کی ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ بڑے [illegible] ملتے کہ ابن حزم کی رائے صحیح نہیں ہے البتہ اصول سے یہ بات قائم فرمائی ہے کہ ابن حزم کی اسے کا مصداق وہ لوگ ہیں جن پر [illegible] وہ جانتے ہیں کہ اس ذیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو احادیث سے وہ حکم منسوخ بھی نہیں ہے اور کسی حدیث صحیح سے اس کی تردید بھی نہیں ہوتی مگر اس کے باوجود وہ اس حکم کے مخالف ہیں اس لیے اتباع کرتے ہیں کہ وہ کسی امام سے منقول ہے۔ شیخ عزالدین کے حوالے سے حضرت شاہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ انتہائی حیرت کی بات ہے کہ مقلد فقہاء اپنے امام کے مأخذ کی کمزوری اور استدلال کے ضعف کے باوجود اس کی تقلید کرتے ہیں (بقیہ تفصیل حجۃ البالغہ ج ۱ ص ۱۵۳ باب حکایت الناس قبل المائۃ الرابعۃ و بعدہا میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے)

اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ شاہ صاحبؒ مطلقاً تقلید کے خلاف نہیں تھے بلکہ اس سلسلہ میں شیخ عزالدین کے مؤید تھے اور ان کی رائے کو پسند فرماتے تھے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر ہم تفصیل سے شاہ صاحبؒ کے خیالات

کا جائزہ لیں۔ اپنی کتاب "الانصاف" میں شاہ صاحبؒ نے فقہ کی تاریخ و تدوین اور تقلید کے آغاز و ضرورت پر گفتگو فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:

اعلم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن الفقه في زمان الشريف مدونا ولم يكن البحث في الاحكام يومئذ مثل البحث من هؤلاء الفقهاء (ص ۳)

اس زمانے میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ لوگ آپ سے مختلف واقعات کے سلسلے میں شریعت کا حکم دریافت کرتے تو آپ شرعی حکم بیان فرما دیتے۔ لوگوں کو اچھا کام کرتے ہوئے دیکھتے تو اس کی تحسین فرماتے یا خاموشی اختیار فرماتے۔ کوئی غلط فعل دیکھتے تو اس پر نکیر بھی ہوتی، اور یہ سب کچھ عام مجلسوں میں بھی ہوتا اور خصوصی مجلسوں میں بھی بعد میں جب فتوحات کا سلسلہ دراز ہوا اور صحابہ مدینہ سے منتشر ہو کر مختلف ملکوں اور شہروں میں پھیلنا شروع ہوئے تو نئے نئے واقعات و حالات پیش آئے صحابہ نے اپنے اجتہاد اور قوت استنباط کے ذریعے فیصلے کیے، یہیں سے مسائل میں تنوع اور فتاوی میں اختلاف واقع ہوا۔ ہر جگہ کے لوگ اپنے متعلقہ صحابی کے فتاوی پر عمل کرتے۔ دور تابعین میں ان فتاوی کی اشاعت خوب کثرت سے ہوئی، ان حضرات نے احادیث کی روشنی میں ترجیح و تطبیق کا غیر منظم کام شروع کیا، بعض فتاوی راجح قرار دیے گئے بعض کو مرجوح اور ضعیف کہہ کر ترک کر دیا گیا (الانصاف ص ۱۷ سے ص ۱۹ تک اسی اجمال کی تفصیل ملتی ہے) عقد الجید میں شاہ صاحبؒ نے ارشاد فرمایا ہے:- ان الناس لم يزالوا من زمن الصحابة الى ان ظهرت المذاهب الاربعة يقلدون من اتفق من اهل العلم من غير نكير من احد يعتبر انكاره، ولو كان ذالك باطلا لانكروه (ص ۶۳)

اس تفصیل سے اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ تقلید صحابہ میں بھی رہی ہے اور تابعین میں بھی، جہاں تک کسی مسئلے میں غور و فکر کرنے اور غلط کو صحیح سے علیحدہ کرنے کا سوال ہے طبقہ عوام میں اس کی اہلیت پہلے بھی کبھی موجود نہیں تھی، اسی لیے عوام کے لیے تقلید کا وہی مفہوم تھا جو آج بھی رائج ہے۔ البتہ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ پہلی دو صدیوں میں کسی ایک مذہب کی تقلید ضروری نہیں تھی بلکہ حالات و واقع کے اعتبار سے مختلف اماموں کے فتاوی پر عمل کر لیا جاتا تھا۔ شاہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں بھی اور عقد الجید میں بھی ابو طالب مکی کے حوالے سے یہ بات فرمائی ہے:- ان الناس كانوا في المائة الاولى والثانية غير مجتمعين على التقليد لمذهب واحد بعينه، قال ابو طالب المكي في قوت القلوب ان الكتب والمجموعات معدة للنقل

Scanned by CamScanner

بلکہ الناس والقیاس کذہب الواحد من الناس واتخاذ قولہ والعنایۃ بہ کالعنایۃ بقول النبی والثقۃ علی مذہبہ لم یکن الناس قدیما علی ذلک فی القرون الاول والثانی وہلم الیوم تجد اللہ البالغہ میں فی المائۃ الاولی والثانیۃ" کے بجائے "فی المائۃ الرابعۃ" کے الفاظ ہیں۔ یہ نقل کا سہو معلوم ہوتا ہے ورنہ سب جانتے ہیں کہ ائمہ مذاہب کی تقلید چوتھی صدی ہجری سے بہت پہلے شروع ہو چکی ہے، اس کی تائید "الانصاف" کی عبارت سے بھی ہوتی ہے۔ وہاں وہ فرماتے ہیں :۔ بعد المائتین ظہر فیہم المذہب للمجتہدین باعیانہم فکل من کان لا یعتمد علی مذہب معین یعتنہ بہ، وکان ہذا ہو الواجب فی ذلک الزمان (ص۷۰)

یہ بھی ممکن ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ میں ایسے ہی کچھ لوگوں کا ذکر ہو جو کسی ایک مذہب کی تقلید کے پابند نہیں ہوتے تھے مگر غیر مقلدوں کی اتنی تعداد تو ہر دور میں ہر جگہ موجود رہی ہے۔

بعد میں جب فقہ کے چاروں مکاتب ظہور میں آئے تو ان کی تقلید شروع ہو گئی اور اس پر امت کا اتفاق ہو گیا کہ ان چار مذاہب کے علاوہ کسی مذہب کی تقلید جائز نہیں ہے۔ حجۃ البالغہ میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

وہذہ المذاہب الاربعۃ المدونۃ المحررۃ قد اجتمعت الامۃ او من یعتد بہا منہم علی جواز تقلیدہا الی یومنا ہذا (ص۱۵۵ ج۱)

عقد الجید سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان مذاہب کے علاوہ کچھ اور بھی مذاہب تھے جن کا بعد میں کوئی وجود باقی نہیں رہا

وانما اندرست المذاہب الحقۃ الاہدہ الاربعۃ کان اتباعہا اتباعا للسواد الاعظم والخروج عنہا خروجا عن السواد الاعظم (ص۳۸)

اس تقلید کی ابتداء کیسے ہوئی، کیا سبب قرار پایا؟ اس کا جواب بھی حجۃ اللہ البالغہ میں مذکور ہے :۔

انہم راوا فوات التقلید، وربما التقلید فی صدورہم ریب النمل وہم لا یشعرون وکان سبب ذلک تزاحم الفقہاء وتجادلہم فیما بینہم (ص۱۵۳ ج۱)

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجتہدین کے مذاہب کی تقلید اور ان کا اتباع ایک ایسا راز ہے جس کا الہام اللہ نے اپنے اہلِ علم بندوں پر کیا ہے اور ان کے سوادِ اعظم کو اس پر متفق کر دیا کہ وہ لوگ ائمہ مذاہب کی تقلید کے اور اس دائرے سے باہر نہ ہوں۔ فرماتے ہیں:

وبالجملۃ فالتمذہب للمجتہدین سرٌ الہم اللہ تعالی العلماء وجمعہم حیث یشعرون او لا یشعرون (الانصاف ص۵۰)

شاہ صاحب کی رائے میں تقلید شخصی کی ضرورت اب پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ہمتیں پست ہو گئی ہیں، دلوں پر خواہشات غالب ہیں اور ہر شخص خود پسندی میں مبتلا ہے۔

وفی ذلک کلہ من المصالح مالا یخفی لاسیما فی ہذہ الایام التی قصرت فیہا الہمم شدا وامرضت القلوب الہوی، واعجب کل ذی رای برایہ (حجۃ اللہ ج۱ ص۱۵۳)

شاہ صاحبؒ ائمہ مذاہب اور دیگر فقہاء کی عظمت کے معترف ہیں۔ ان کے یہاں آج کل کے بعض مقلدوں جیسا تشدد نہیں ہے کہ وہ اپنے امام کے علاوہ کسی دوسرے کی عظمت کے معترف نہیں ہوتے۔ شاہ صاحب سب کو تسلیم کرتے ہیں اور سب کی تحسین فرماتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے صاف صاف تحریر فرمایا ہے کہ اپنے امام کی افضلیت کا اعتقاد و عقیدہ تقلید کے لیے ضروری نہیں ہے اور دلیل یہ ہے کہ حضرات صحابہ اگرچہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی افضلیت پر اتفاق کرتے تھے مگر اس کے باوجود بہت سے مسائل میں وہ ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کی بھی تقلید کرتے تھے اور اس پر کوئی نکیر نہیں ہوتی تھی، اللہ نہ ان دونوں حضرات کے احترام میں کوئی فرق آتا تھا۔

وقد بان اعتقاد افضلیۃ الامام علی سائر الائمۃ غیر لازم فی مستحسن التقلید اجماعا فان الصحابۃ والتابعین کانوا یعتقدون ان خیر ہذہ الامۃ ابوبکر ثم عمر وکانوا یقلدون فی کثیر من المسائل بخلاف قولہما، وسلم وینکر علی ذلک احد، وکان اجماع علی ما قلنا (عقد الجید ص۴۴)

اس تفصیل سے یہ بات تو واضح ہوئی کہ شاہ صاحبؒ تقلید کو ناپسند نہیں فرماتے تھے، بلکہ اس کے مؤید تھے اور دلائل کے ساتھ اس کی اہمیت و ضرورت محسوس فرماتے تھے۔ پھر بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ خود شاہ صاحبؒ کا مسلک کیا تھا؟ اگر مقلد تھے تو حنفی تھے یا شافعی؟ ان سوالوں کے جوابات کے لیے مذکورہ تفصیل کی ضرورت ہے۔

اہلِ علم حضرات جانتے ہیں کہ اسلامی قانون کے دو مراکز حجاز اور عراق کے نام سے مشہور ہیں۔ حجاز میں حضرت امام مالکؒ نے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل مدینہ کے تعامل کو سامنے رکھ کر اسلامی قانون مرتب کیا اور اس فقہ کو اپنی کتاب مؤطا میں جمع کیا۔ حضرت امام شافعیؒ نے اسی فقہ کو وسعت دی۔ دونوں فقہوں کی تشکیل یہیں حجاز میں ہوئی۔ نشوونما بھی یہیں پایا اور یہیں کے مزاج نے انہیں قبول عام کیا مدینہ کے بعد عراق علم کا دوسرا بڑا مرکز تھا، فقہ حنفی کی ترتیب و تدوین عراق ہی میں ہوئی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو عراق روانہ کیا تھا۔ بعد میں ان کے کمال و تبحر علم

Scanned by CamScanner

کے ذریعے اس فقہ کی تدوین عمل میں آئی جو حنفی فقہ کہلاتا ہے۔ عراق اس وقت تین تہذیبوں کا مجموعہ تھا۔ ایرانی تہذیب اور عربی تہذیب۔ زوال بغداد کے بعد مغل برسر اقتدار آئے تو انہوں نے مصر کا رخ کیا اور فارسی بولنے والے دہلی پہنچے آئے۔ اس طرح ایرانیوں کے ساتھ حنفی فقہ بھی ہندوستان چلا آیا اور یہاں مذہب کے طور پر اختیار کر لیا گیا۔

امام ابوحنیفہؒ کے تین شاگرد تھے، امام محمدؒ، اور امام ابو یوسف کی بدولت اور محنت سے اس فقہ کو بڑی وسعت فروغ ملا۔ امام محمدؒ نے تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کے ذریعے اس کی اشاعت کی۔ امام ابو یوسفؒ اسلامی حکومت کے قاضی القضاۃ مقرر کئے گئے تو ان کے ذریعے اس کو فروغ حاصل ہوا۔ اس طرح اس فقہ کو بڑی سہولت ملی۔ کچھ عرصے کی ایک اچھی خاصی تعداد بھی پیدا ہو گئی اور اتنی صلاحیت بھی کہ حکومتوں کا سرکاری مذہب بن سکے۔ ہندوستان میں اسلامی حکومت کے لیے یہ ایک قابل قبول قانون تھا۔ بعد میں دو مرتبہ یہاں ہندوستان میں فقہ حنفی کی تدوین نو ترتیب عمل میں آئی۔ ایک مرتبہ عہد تغلق میں سلطان محمد تغلق کے ایک حاکم امیر تاتار خان نے شیخ عالم بن علاء الحق پنڈوی کی خدمات اس کام کے لیے حاصل کیں۔ فتاوی کی اس کتاب کا نام "فتاوی تاتارخانیہ" خود امیر تاتار خاں سے منسوب ہے۔ دوسری مرتبہ عہد اورنگزیب میں سلطان اورنگزیب نے اس کام کی بہ نفس نفیس نگرانی فرمائی۔ اس مجلس میں جس کے سپرد یہ کام ہوا تھا درجنوں کے ممتاز علماء شامل تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم بھی اس مجلس فقہ کے رکن تھے۔ سلاطین کی سرپرستی میں یہ مذہب ہندوستان میں فروغ پاتا رہا۔ اسی دور میں امام الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ کی پیدائش ہوئی۔ اپنے والد شاہ عبدالرحیم سے تعلیم حاصل کی جو خود بھی حنفی تھے اور اس وقت کے حنفی افکار و علوم میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ بعد میں شاہ صاحبؒ نے اپنے وسعت مطالعہ، وقت نظر اور بے پناہ صلاحیت کے بل بوتے اس میدان میں بھی اپنا نقش قائم کیا۔ اپنے والد کی وفات کے بعد حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ان کا مدرسہ سنبھالا اور ان کے کام کو آگے بڑھایا۔ یہ ۱۱۳۱ھ کی بات ہے، بارہ سال تک یہ درس و تدریس کی زندگی گزارنے کے بعد حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ وہاں کے مشہور اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہو کر علوم حدیث حاصل فرمائی۔ حجاز میں ایک طرف آپ کے استاد شیخ ابوطاہر مدنی شافعی تھے تو دوسری جانب شیخ تاج الدین حنفی بھی تھے۔ اس علمی صحبت نے شاہ صاحبؒ کے طرز فکر کو خاصا متاثر کیا اور فقہ حنفی کے ساتھ ساتھ فقہ شافعی کی اہمیت بھی وہ محسوس کرنے لگے حجاز میں قیام کے دوران شاہ صاحبؒ کا یہ خیال رہا کہ صحاح ستہ کی اصل سطوا امام مالک ہے۔ اور سطوا احادیث کا پہلا صحیح مجموعہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے قریب تر بھی ہے۔ اس لیے صحاح ستہ کی بنیاد پر اگر کوئی عالم فتوی دے تو وہ فتوی قابل ترجیح ہوگا۔ خواہ وہ عالم حنفی ہو یا شافعی۔ حجاز کے قیام نے شاہ صاحبؒ کے دل میں یہ بات بھی ڈال دی کہ ہر فقہ اپنے علاقے کا مزاج رکھتا ہے۔ حنفی فقہ کا مزاج حجاز میں نہیں ہے۔ وہاں کے بڑے بڑے اہل علم حضرات فقہ شافعی کے پابند نظر آتے ہیں۔ اسی بنیاد پر شاہ صاحبؒ نے دونوں فقہوں کی یکساں حیثیت اور اعتماد پر زور دیا مگر اس شرط کے ساتھ کہ سطوا کو حدیث کی جملہ کتابوں اور فقہوں کی اصل قرار دیا جائے۔ اپنی اس تحریک کا مرکز شاہ صاحبؒ نے حجاز مقدس کو قرار دیا۔ مگر وہاں یہ تحریک کامیاب نہ ہو سکی اور آپ کو دہلی واپس چلے آنے کا حکم دیا گیا۔ شاہ صاحبؒ نے اپنی کتابوں میں ایک تاریخی خواب درج کیا ہے جس میں انہیں پہلے اور پھر اس کے بعد کی پوری تفصیل موجود ہے۔ اسی خواب میں آپ کو ملک کی نظام بھی تفویض کیا گیا تھا۔ ہندوستان واپس تشریف لائے تو آپ کے خیالات میں بڑی تبدیلی آ چکی تھی۔ ان خیالات کی تفصیل مولانا سید سندھی کی کتاب "شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ" شاہ ولی اللہ اور ان کی یا تحریک" میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے)

شاہ صاحبؒ کا خیال تھا کہ ایسے علاقوں میں جہاں صرف فقہ حنفی رائج ہو اور دوسرے فقہاء کی کتابیں موجود نہ ہوں اور نہ ان کے مسائل بتلانے والے تو عام لوگوں کے لیے حنفی فقہ کا اتباع ضروری ہے۔ اس کے دائرے سے باہر نکلنا ان کے لیے جائز نہیں ہے۔

"الانصاف" میں فرماتے ہیں:

فاذا کان انسان جاهل فی بلاد الهند، وبلاد ما وراء النهر، وليس هناك عالم شافعي ولا مالك ولا حنبلي، ولا كتاب من كتب المذاهب وجب عليه ان يقلد بمذهب ابي حنيفة رضي الله عنه، ولا يحل له ان يخرج من مذهبه، لانه حينئذ يخلع عنقه ربقة الشريعة، ويبقى سدى مهملا۔

(صفحہ ۷۰)

حجاز سے واپسی کے بعد شاہ صاحبؒ نے اپنی خیالات کا اظہار فرمایا۔ عام لوگوں کے لیے تقلید کو تو وہ پہلے بھی ضروری خیال فرماتے تھے، ہندوستان واپس پہنچ کر اپنے لیے بھی تقلید ہی کا راستہ اختیار کیا اس کی وجہ جیسا کہ فیوض الحرمین میں لکھا ہے یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ صاحبؒ کو وصیت فرمائی تھی کہ ائمہ کی تقلید کی جائے اور ان کے دائرے سے باہر نہ نکلا جائے۔

Scanned by CamScanner

سنة رسول صلى الله عليه وسلم مخالفا لما عليه اكثر اهل عصرى، وما ذلك الا بسبب سوء حظى وقلة استعدادى من جراثيم حب الجاه، وحق لى ان اعدها الوصاة بترك الاشتغال الى النسيب وثابهه وصاة بالتقليد هذه المذاهب الاربعة لا اخرج منها، والتوفيق ما استطعت، وجبلتى تأبى التقليد، وقد ثقفت مدة راسا، ولكن شئ طلب منى التعبد بخلاف نفسى، وهنالكة طويت ذكرها، وقد لخصت بحمد الله بسر هذا الوصاة (صـ۳ ج ۱)

اس عبارت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے شاہ صاحب فقہ میں اپنے والد ماجد اور دیگر اساتذہ علوم سے اتنی قوت حاصل کر چکے تھے کہ عملی طور پر کوئی لگا بندھا مگر امر تعبدی کی تعمیل میں شاہ صاحب نے تقلید اختیار فرمائی۔

اسی طرح ایک عام شاہ صاحب کو یہ بھی تھا کہ حق کا منشا بخوبی سے کہ امت مرحومہ کی تنظیم اور اس کی شیرازہ بندی کے لیے کوشاں رہ یہ فروعات میں اپنی قوم کی مخالفت نہ کرے

وبقى فى نفسة اخرى فبين ان مراد الحق فيك ان يجمع شملا من الامة المرحومة بك وايا ك ان تخالف القوم فى الفروع فانه مناقضة لمراد الحق (فیوض الحرمین صـ۴۲)

حضرت شاہ ولی اللہؒ کو ہندوستان میں دینی تجدید کے لیے مقرر کیا گیا تھا جیسا کہ عرض کیا گیا ہندوستان ہمیشہ سے فقہ حنفی کا پابند رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی کی تدوین ترتیب تدوین عمل میں آئی۔ یہی فقہ حکومت کے نظام کا قانون تھا۔ ان حالات میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ شاہ صاحبؒ اس فقہ کی مخالفت فرمائیں گے اور اپنے لیے کوئی ایسا راستہ تلاش کریں گے جو قوم کی راہ سے جدا ہو جیسا کہ شاہ صاحب کو مختلف موقعوں میں فقہ حنفی کی اہمیت اور تمام فقہوں پر اس کی فضیلت بھی ثابت کیا گیا۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں

وبشرنى النبى صلى الله عليه وسلم ان مذهب الحنفى طريقة اثيرة عنده موافق الطرق بالسنة المعروفة التى جمعت ونقحت فى زمان البخارى واصحابه (صـ۴۲)

مذہب حنفی اختیار کر لینے کے بعد بھی شاہ صاحبؒ کی نظر

فقہ شافعی کی خدمت ختم نہیں ہوئی بلکہ درسی طور پر آپ شافعی درس دیتے رہے اور تعلیق بھی کرتے رہے۔ البتہ عملی طور پر آپ نے مسلک حنفیہ کی تائید و ترویج کی۔ چنانچہ پٹنہ کی خدا بخش لائبریری میں بخاری شریف کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جس کے حاشیہ پر شاہ صاحبؒ نے ایک عزیز شاگرد کو ابواب حدیث سے فقہ حنفی کے دلائل لکھوائے ہیں۔ شافعی مذہب کی خدمت کے باب پر آپ کے صاحبزادے مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ بھی ہیں اور شاہ عالم کی صحیح تصدیق بھی "فرقان کے دو الگ الگ شیر" کی مگر یہی شائع کیا گیا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی تفہیم کے عام طریقہ سے مختلف تھا اس کا اس سلسلے میں ایک مخصوص طریقہ تھا وہ فکری اور جامد محض تقلید کے قائل نہیں تھے۔ بلکہ جو کچھ فیصلہ فرماتے تھے وہ بصیرت اختیار کرنے سے اور اسے کتاب و سنت کی کسوٹی پر جانچنے کے بعد کرتے تھے

منفی فقہ کا مقصد اس قدر وسیع ہے کہ دوسرے فقہی مکاتب کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اپنے مقالہ شاہ ولی اللہ اور ان کی تحریک میں ہم قطعوبنا کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ مشہور فقیہ کاسانی مشق شرف سے گئے، ان کی خدمت میں شہر کے فقہاء حاضر ہوئے اور مسائل کے سلسلے میں استفسار کیا جب بھی کوئی مسئلہ پیش ہوتا کاسانی فرماتے کہ اس مسئلے میں ہمارے فلاں امام کی رائے یہ ہے اور اس میں فلاں امام کی رائے یہ ہے، مراد ان کی کبھی ابو یوسف سے ہوتی کبھی محمد سے اور کبھی ابو حنیفہ سے یعنی یہی رائے فقہ حنفی کے سلسلے میں حضرت شاہ صاحبؒ کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ ان تینوں آئمہ میں سے کسی نہ کسی کے یہاں ہر مسئلے میں کوئی نہ کوئی قول ایسا مل جاتا ہے جو سنت کے زیادہ قریب ہو۔ فرماتے ہیں

وذلك ان يوخذ من اقوال الثلثة قول اقربهم بها فى المسئلة، ثم بعد ذالك يتبع اختيارات الفقهاء الحنفيين الذين كانوا من علماء الحديث فرب شئ سكت عنه الثلثة فى الاصول وما تعرض النفية ودلت الاحاديث عليه فليس بد من اتباعه والحكم بمذهب حنفى (فیوض الحرمین صـ۴۲)

اس کے علاوہ شاہ صاحبؒ کے ہاں مشروط اجتہاد کی گنجائش بھی تھی، بلکہ وقت کے موقف پر اجتہاد پر اصرار بھی تھا، موطا امام مالک کی اردو شرح مصفی میں بحث و مباحثہ سے تحریر فرمایا ہے مولانا عبید اللہ کے الفاظ میں شاہ صاحبؒ کے بعد کا مسلک

(باقی ۳۲ پر)

Scanned by CamScanner

فون نمبر ۶۷۵۴۵

ہفت روزہ
خدام الدین لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۷۴

منظور شدہ ۱۔ لائبریریوں بذریعہ چٹھی نمبری ۹ (۱۳۲) مورخہ ۱۹۵۶ء (۲) پشاور لائبریریوں بذریعہ چٹھی نمبری ۲۳۸۱-۲۴۷ T.B.C مورخہ ستمبر ۱۹۵۶ء
محکمہ تعلیم ۲۔ لائبریریوں بذریعہ چٹھی نمبری ۹/۲۹ ۲۰۷۶-۹۸۵۵ مورخہ ۲۷ اگست ۱۹۶۴ء (۲) راولپنڈی لائبریریوں بذریعہ چٹھی نمبری ۳۱۰۰-۳۴/G.B مورخہ ۱۵ مئی ۶۷ء

بقیہ : شاہ ولی اللہؒ

یہ ہے کہ ہر زمانے میں اجتہاد فرض کفایہ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن یہاں اجتہاد سے مقصود اجتہاد مستقل نہیں ہے جیسا کہ امام شافعی کا اجتہاد تھا۔ ہمارا یہ کہنا کہ ہر زمانے میں اجتہاد فرض ہے، اس کا دراصل مطلب یہ ہے کہ چونکہ مسائل آئے دن نئے سے نئے پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ان کے بارے میں احکام الٰہی کا جاننا ضروری ہے اور جو کچھ پہلے مدون ہو مرتب ہو چکا ہے وہ کافی نہیں ہے۔ پھر اس میں بھی بہت اختلاف ہوتا ہے نیز یہ اختلافات اس وقت تک حل نہیں ہو سکتے جب تک دلائل کو کی طرف رجوع نہ کیا جائے اور ان دلائل کا سلسلہ مجتہدین تک لے جایا نہیں جا سکتا۔ ان حالات میں ان کے سوا اور کوئی صورت ممکن نہیں ہوتی کہ مسائل کو اجتہاد کے اصولوں پر رکھا جائے۔

(شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک صفحہ ۱۷۴)

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے تلامذہ کا سلسلہ اور خود ان کے پانچوں جلیل القدر صاحبزادے حنفی ہیں۔ مولانا فائق پہلتی جو شاہ صاحبؒ کے عزیز ترین شاگرد بھی ہیں اور قریبی عزیز بھی خود فقہ حنفی کے پیرو ہیں اور شاہ عبدالعزیزؒ کے اس مضمون میں استاذ بھی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی "عجالہ نافعہ" دیکھی جائے تو حنفی فقہ کے بارے میں ان کے خیالات کا اندازہ ہوتا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیزؒ اپنے والد کی زبان ہیں۔ خیالات سب انہی سے لیتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیزؒ سے علوم الٰہی علوم شاہ اسحاق دہلویؒ کو ملے۔ ان کے ذریعہ شاہ عبدالغنی مجددیؒ مولانا مملوک علیؒ اور مولانا امداد اللہ مہاجر مکیؒ تک پہنچے۔ ان حضرات سے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اکتساب فیض کیا۔ جو کام شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے لائق بھتیجے شاہ اسماعیل شہیدؒ نے شروع کیا تھا اسی کام کو ان حضرات نے دیوبند میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھ کر آگے بڑھایا۔ ولی اللہی فکر کی اشاعت اس مدرسہ کا مقصد رہا۔ زیادہ دیر نہیں گزری کہ اس اسکول سے بہت سے باکمال لوگ باہر آئے یہ پورا سلسلۃ الذہب حنفی ہے اور شاہ صاحب کے افکار کا پورا پورا پابند بھی۔

آخر میں نواب صدیق حسن خان کی شہادت پیش کر دینا کافی ہوگی۔ مولانا صدیق حسن خان ہندوستان میں غیر مقلدوں کے امام اور پیشوا خیال کیے جاتے ہیں اس لیے شاہ صاحبؒ اور ان کے ممتاز خاندان کے حق میں ان کی شہادت کو زیادہ اہمیت دی جائے گی۔ شاہ ولی اللہؒ اور ان کے سیاسی تحریک کے متعلق میں نواب صدیق حسن خان کتاب الحطہ کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ امام ولی اللہ دہلوی کا مسلک یہ ہے کہ وہ نزدیک سے مسائل کو اول تو کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں، پھر ان کے متعلق فقہاء کے جو اقوال اور آراء ہیں ان کو کتاب و سنت کی روشنی میں دیکھتے ہیں، جو فقہی اقوال ان دونوں پر پورے اترتے ہیں انہیں تو قبول کر لیتے ہیں اور جو ان کے خلاف نظر آئیں انہیں رد کر دیتے ہیں اور اس معاملے میں وہ کسی کی پروا نہیں کرتے۔ یہی کیفیت ان کے پوتے مولانا اسماعیل شہید کی ہے۔ موصوف نے اپنے جد امجد کے اسی طریقہ پر پیروی کی۔ اور بلا تکلف جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں آپ نے اسلام میں کوئی نئی بات اپنی طرف سے جاری نہیں کی۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ کا یہ طریقہ حنفی فقہ کے خلاف نہ تھا اور یہی وہ شاہراہ شریعت ہے جس پر اسلاف اور ان کے بعد والے چلتے رہے۔ یہ گھرانہ حنفی فقہ کا متبع اور پکا مقلد کا حامل تھا

ایجنٹ حضرات متوجہ ہوں

بل ماہ مارچ کی جن حضرات نے ادائیگی تاحال نہیں فرمائی براہ کرم فوراً رقوم بھجوا دیں۔
بصورت دیگر پرچہ کی ترسیل روک لی جائے گی۔

(ادارہ)

(۱) عبداللہ انور بیلبشر نے پرنٹ خواجہ شوکت علی پریمیئر پرنٹرز میں چھپوا کر شرافت گیٹ لاہور سے شائع کیا۔

Scanned by CamScanner